اسلامی شعائر کی پابندی ضروری ہے

(فرمودہ ۳۔ اکتوبر ۱۹۳۰ء)

تشہّد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:

دنیا میں مختلف چیزیں مختلف حیثیتیں رکھتی ہیں کسی کی حیثیت زیادہ ہوتی ہے اور کسی کی کم اور اسی کے لحاظ سے ہم انہیں قیمتی یا کم قیمت قرار دیتے ہیں لیکن بعض اوقات کسی خاص فائدہ کو مدنظر رکھتے ہوئے بھی ایک چیز قیمتی یا غیر قیمتی قرار دے دی جاتی ہے۔ ایک وقت ایک چیز جوارزاں ہو اور سہولت سے مل سکے اور بے قیمت سمجھی جاتی ہے لیکن دوسرے وقت میں کسی خاص شخص کی ضرورت یا مہیا ہونے کی مشکلات کے لحاظ سے وہی قیمتی سمجھی جائے گی۔ جیسے معدنیات میں ہم سونے کو دیکھتے ہیں کہ یہ بہت قیمتی سمجھا جاتا ہے لیکن اگر کوئی شخص ایک ایسے جنگل میں پھنسا ہوا پیاس سے تڑپ رہا ہو جہاں پانی کہیں میسّر نہیں آ سکتا تو اگر سونے کے پہاڑ بھی اس کے قدموں میں ڈال دیئے جائیں تو وہ ان کی کوئی قیمت نہیں سمجھے گا اور وہ پانی کہ جس کی کنوؤں اور نہروں والے مقامات پر کوئی قیمت نہیں ایک بے آب و گیاہ جنگل میں لاکھوں مَن سونے سے زیادہ قیمتی ہو جائے گا۔ اسی طرح روٹی سستی چیز ہے اور کپڑا مہنگا ہے لیکن اگر کوئی شخص کسی ایسے مقام پر ہو جہاں روٹی میسّر نہ آ سکے تو اُسے قیمتی سے قیمتی کپڑوں کے تھانوں سے لاد دیا جائے اور کمخواب اَطلس کے ڈھیر اُس کے پاس لگا دیئے جائیں تو ان کی اس کے نزدیک کوئی حقیقت نہ ہو گی اس لئے کہ گوارزانی کے لحاظ سے روٹی کی قیمت کم ہے مگر خاص موقع پر فُقدان کے باعث اس کی قیمت میں بہت اضافہ ہو جائے گا۔ تو خاص حالات کے ماتحت اور خاص اوقات میں مختلف

اشیاء کی قیمتوں میں بھی بہت سا فرق ہو جاتا ہے۔ اگر کوئی شخص سر پر ٹوپی یا پگڑی کی بجائے جوتی رکھ لے اور پاؤں میں ٹوپی یا پگڑی باندھ لے تو اگر اس خیال کو ذہن سے نکال دیا جائے کہ دنیا کا عام دستور کیا ہے اور لوگ اِن چیزوں کو کس طرح استعمال کرنے کے عادی ہیں تو مالی، دینی یا اخلاقی طور پر اس میں کوئی نقصان نظر نہیں آتا مگر پھر بھی دنیا میں کتنے لوگ ہیں جو ایسا کرنے کے لئے تیار ہیں کہ پاؤں میں جرابوں کی بجائے رومی ٹوپی یا پگڑی باندھ لیں۔ لیکن اگر ان سے پوچھا جائے کہ ایسا کرنے میں نقصان کیا ہے تو اس کا بھی کوئی جواب نہیں دے سکتے سوائے اس کے کہ یہ قوم کا رواج نہیں۔ اور عام نقطہ نگاہ یہی ہے کہ ٹوپی یا پگڑی سر کے لئے ہے اور جوتی پاؤں کے لئے اور اس کے خلاف کرنا ایک لغو فعل ہے اور لغو کام کرنے والے کا وقت ضائع ہوتا ہے۔ پس یوں تو اس میں کوئی قباحت نظر نہیں آتی لیکن اگر اسے لغو فعل بنا کر دیکھیں گے تو اس کے مضرات صاف طور پر نظر آجائیں گے کیونکہ اگر اسی طرح سارے لغو کاموں کو جائز قرار دے لیا جائے تو انسان کی زندگی تہہ و بالا ہو جائے۔

اسی طرح سپاہی کو ہم دیکھتے ہیں کہ وہ خاص قسم کا لباس پہننے پر مجبور ہے۔ اب اگر کوئی پوچھے کہ اس کی کیا ضرورت ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ خاص قسم کے لباس سے آدمی بہادر بنتا ہے یا اس سے زیادہ حُبِّ وطن پیدا ہوتی ہے یا پھر یہ کہ اس سے زیادہ چُستی پیدا ہوئی ہے تو یہ بات بالکل غلط ہے۔ کیونکہ جرمن سپاہی اپنے لباس میں ہی چُست، بہادر اور محبّ وطن ہوتا ہے، انگریز اپنے میں اور فرانسیسی اپنے میں حالانکہ ان لباسوں میں بہت بڑا فرق ہے ہر ایک کی وضع قطع جُداگانہ ہے۔ پھر سوال ہوتا ہے کہ لباسوں میں ایسے امتیازات کا کیا فائدہ ہے۔ جب جرمن سپاہی کے اندر اپنے لباس میں ہی تمام ضروری خصوصیات موجود رہتی ہیں اور انگریز سپاہی کے اندر اپنے لباس میں اور جب مختلف لباسوں کے ہوتے ہوئے بھی سپاہیوں کے اندر بہادری، حُبِّ وطن اور چُستی پیدا ہو سکتی ہے تو پھر سپاہیوں کے لباس کے متعلق اِس قدر پابندی کیوں کی جاتی ہے۔

اس نقطۂ نگاہ سے تو یہ پابندی بے شک بے فائدہ ہے لیکن اگر اسے دوسرے نقطہ نگاہ سے دیکھا جائے جو یہ ہے کہ ایک طرح کے لباس اور حرکات سے قوموں کے اندر قلبی اتحاد اور یگانگت پیدا ہوتی ہے تو اس کا بہت بڑا فرق نظر آجائے گا۔ پھر یہ بھی فائدہ ہے کہ ایک قسم کے لباس سے سپاہی اپنے ساتھیوں کو پہچان سکتا ہے لیکن اگر ایک لباس نہ ہو تو دوست دشمن میں تمیز ہی نہ ہو سکے

گی۔لڑائی میں اتنا موقع نہیں ہوتا کہ شکلیں پہچان پہچان کر حملہ کیا جائے وہاں تو رنگوں پر ہی حملہ ہو سکتا ہے۔پس اگر لباس میں یک رنگی کو اس نقطہ نگاہ سے دیکھیں کہ اس کے بغیر دوست دشمن میں تمیز نہیں ہوسکتی اور عین ممکن ہے دشمن پر حملہ کرنے کے بجائے اپنے آدمیوں پر ہی حملے ہوتے رہیں تو یہی لباس نہایت ضروری چیز نظر آئے گی۔

اسی طرح فوجوں میں باقاعدہ ہاتھ اٹھا کر سلام کرنے کا دستور ہے حالانکہ ایسا کرنے کے بغیر بھی کام چل سکتا ہے اور اس کے بغیر بھی سپاہی کے اندر اطاعت کا مادہ پیدا ہوسکتا ہے لیکن بات یہ ہے کہ ظاہر طور پر بھی جب تک یاد تازہ نہ ہوتی رہے اور جب تک قلب کو ظاہری حرکات سے مدد نہ دی جائے وہ مُردہ ہو جاتا ہے۔ ہمارا ایک کتنا گہرا دوست ہو لیکن اگر متواتر کئی سال تک اُسے نہ دیکھیں تو اس کی شکل پہچاننی مشکل ہو جائے گی کیونکہ یہ ایک فطری بات ہے کہ آہستہ آہستہ پہلے نقوش انسان کے دل سے محو ہو جاتے ہیں۔ ہر شخص اپنے گھر میں دیکھے لڑکیوں کی شادی کی جاتی ہے تو وہ رخصت ہوتے وقت روتی ہیں لیکن اگر ایک سال کے بعد انہیں خاوند کے گھر میں دیکھا جائے تو وہ ایسی ہی خوش وخرم نظر آئیں گی جیسے والدین کے گھر میں تھیں بلکہ بسا اوقات اس سے بھی زیادہ خوش ہوں گی کیونکہ کچھ عرصہ تک جُدا رہنے کے باعث وہ پہلی باتیں اور چیزیں بُھول گئیں اور اب ان کی جُدائی موجبِ تکلیف نہیں رہی۔اسی طرح دوستوں کو دیکھو ایک دوسرے سے جُدا ہوتے وقت چہروں پر غم کے آثار ہوتے ہیں بلکہ جو لوگ جذبات کے زیادہ مطیع یا کمزور دل ہوتے ہیں ان کی آنکھوں میں آنسو بھی آ جاتے ہیں لیکن بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ گاڑی چلنے کے معاً بعد اردگرد کے نظاروں سے متأثر ہو کر پہلی حالت بالکل بدل جاتی ہے اور دل میں اور ہی خیالات شروع ہو جاتے ہیں گویا پندرہ منٹ کا وقفہ ہی پہلی حالت کو بدل ڈالتا ہے۔تو یاد رکھنا چاہئے کہ انسانی جذبات اُس وقت تک سر سبز نہیں رہ سکتے جب تک کہ باہر کے تعلقات کے پانی کا چھینٹا وقتاً فوقتاً نہ پڑتا رہے۔اسی طرح فرمانبرداری اگرچہ دل سے تعلق رکھتی ہے لیکن اگر بار بار یاد نہ دلایا جائے اور اس کی عادت نہ ڈالی جائے تو بُھول جاتی ہے پس یہ ظاہری سلام اپنے اندر ایک خاص غرض اور فائدہ رکھتا ہے۔لیکن کوئی یہ بھی کہہ سکتا ہے کہ فوجی سلام کے لئے ہاتھ سے ہی اشارے کی کیا ضرورت ہے اگر کوئی پاؤں ملا کر سلام کر دے تو اس میں کیا حرج ہے۔لیکن یاد رکھنے کے لئے جب مختلف ذرائع ہوں تو یاد نہیں رہ سکتا یاد رکھنے کا ایک

ہی ذریعہ ہو سکتا ہے جب بے انتہاء ذرائع ہوں تو پھر اُلجھن پیدا ہو جاتی ہے۔ اگر روٹی کا لفظ صرف روٹی کے لئے ہی بولا جائے تو اِس کا نام سنتے ہی ہر شخص سمجھ جائے گا کہ اس سے کیا مراد ہے لیکن اگر پانی، کنواں، جنگل، درخت وغیرہ کئی ایک چیزوں کو روٹی کا نام دے دیا جائے تو کوئی بھی یاد نہیں رکھ سکے گا۔ اور یہ ''شُد پریشاں خواب من از کثرت تعبیرہا'' کا معاملہ ہو جائے گا۔ پس جب بہت سے اشارے ہوں تو انسان بھول جاتا ہے اس لئے ضروری ہے کہ اشارے محدود ہوں اور یہ نہ ہو کہ ہر شخص اپنے لئے جو چاہے تجویز کرے پس یہ ظاہری حرکات وسکنات بھی اپنے اندر خاص فوائد رکھتی ہیں۔

اسی طرح روحانی شرائع میں بھی بعض احکام ایسے ہوتے ہیں جن کا بظاہر اور براہِ راست کوئی خاص فائدہ نظر نہیں آتا مگر بالواسطہ طور پر خاص مواقع پر ان کے فوائد بہت ہوتے ہیں۔ عام حالات کے ماتحت تو وہ بے حقیقت چیز ہوتے ہیں مگر خاص حالات اور اغراض کی بناء پر ان کے فوائد بہت ہوتے ہیں۔

اگر کوئی شخص کہے کہ مجلس میں کوئی شخص بیٹھا ہو کوئی لیٹا ہو تو اس میں کیا حرج ہے تو ہم اسے کچھ نہیں کہہ سکتے اور بظاہر اس میں کوئی حرج نظر بھی نہیں آتا لیکن اس پر عمل کر کے دیکھو تو یہ بات خود بخود طبائع پر ناگوار گزرے گی۔ شرفاء کی مجلس میں کوئی شخص جنوب کی طرف پاؤں کر کے لیٹا ہو اور کوئی شمال کی طرف، کسی کا منہ مشرق کی طرف ہو اور کسی کی پیٹھ، تو ہر شخص اسے ناپسند کرے گا۔ ایسی باتوں کا مخفی اثر انسان کی طبائع پر ہوتا ہے اور تشتّت و پراگندگی پیدا ہوتی ہے کیونکہ جب ظاہری باتوں میں اتحاد نہ ہو تو باطنی امور میں بھی نہیں رہ سکتا۔ اسی واسطے رسول کریم ﷺ نے تاکید فرمائی ہے کہ نماز میں صفیں ٹیڑھی نہیں ہونی چاہئیں اور کندھے سے کندھا ملانے کا حکم دیا ہے۔[1] کیونکہ اگر ظاہری اتحاد نہ ہو تو دلوں میں بھی پراگندگی پیدا ہو جاتی ہے۔ اب اگر کوئی کہے کہ اس طرح مل کر کھڑا ہونا کیا فضول بات ہے تھوڑے تھوڑے فاصلہ پر کھڑا ہونا چاہئے تا ہوا گزر سکے تو بظاہر تو یہ معقول بات معلوم ہوتی ہے مگر رسول کریم ﷺ نے اسے پراگندگی کا موجب فرمایا ہے۔ کیونکہ ظاہری اتحاد باطنی اتحاد کا ذریعہ ہے۔ انگریزوں کو دیکھو اگرچہ اب تو حالات بدلتے جاتے ہیں مگر پھر بھی ایک انگریز دیسی جُوتی سے سخت نفرت کرتا ہے مگر بوٹ سے نہیں۔ اگر ایک کالا کلوٹا آدمی سر پر ہیٹ رکھ کر اور باقاعدہ سوٹ بوٹ پہن کر کسی انگریز کے

سامنے جائے تو وہ نہایت تپاک سے اس سے شیک ہینڈ (مصافحہ) کرے گا اور اسے دیکھ کر اس کی باچھیں کھل جائیں گی کیونکہ وہ سمجھے گا یہ ہمارا اپنا آدمی ہے۔ لیکن اگر ایک بُراق کی طرح سفید اور خوبصورت شخص تیس پینتیس گز کا سندھی پاجامہ پہن کر اور بڑی سی نوکدار جوتی پہن کر جائے تو انگریز اسے دیکھتے ہی پیچھے ہٹ جائے گا اور خواہ ایسا لباس پہننے والے کے اندر انگریزیت پوری طرح گھر کر چکی ہو لیکن ایک انگریز اسے مل کر خوش نہیں ہوگا۔ اس سے معلوم ہوسکتا ہے کہ ظاہر کا اثر بہت بڑا ہوتا ہے اور بعض حدود کے اندر ظواہر کی پابندی ضروری ہوتی ہے۔ جیسے دودھ کو محفوظ رکھنے کے لئے برتن کا ہونا نہایت ضروری ہے حالانکہ وہ اصل چیز نہیں اصل دودھ ہی ہے لیکن وہ برتن کے بغیر رہ نہیں سکتا اور یقیناً ضائع ہو جائے گا۔

اسی طرح شریعت کے بھی بعض ظاہری احکام ہیں اور نظام کو قائم رکھنے کے لئے ان کی پابندی ضروری ہوتی ہے۔ رسول کریم ﷺ کے زمانہ میں ڈاڑھی منڈانے کا رواج تھا مگر آپ نے مسلمانوں کو ڈاڑھی رکھنے کا حکم دیا[۲] اس کے آپ نے کوئی ایسے فوائد بیان نہیں کئے جو بظاہر نظر آتے ہوں بلکہ صرف یہ فرمایا کہ دوسرے منڈاتے ہیں اس لئے تم رکھو۔ اس کے علاوہ آپ نے کوئی ایسی بات نہیں بیان فرمائی کہ ہم کہیں اس کو مدنظر رکھتے ہوئے اس حکم کی پابندی اس زمانہ میں ضروری نہیں لیکن اس کا ظاہری فائدہ یہ ہے کہ اس سے ایک مسلمان دوسرے کو دیکھتے ہی پہچان لیتا ہے گویا یہ بطور نشان اور علامت کے ہے پھر اس کے علاوہ یہ فائدہ بھی ہے کہ ظاہری مشارکت قلبی اتحاد کی تقویت کا موجب ہوتی ہے۔

اس کے علاوہ اور بھی ایسے احکام ہیں مثلاً اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ کہنا ہے۔ یہ صرف دعا ہی نہیں اگر یہ صرف دعائیہ فقرہ ہی ہو تو اردو یا پنجابی یا اپنی اپنی مادری زبان میں اس سے بہتر دعائیہ فقرات کہے جاسکتے ہیں لیکن اس کے بغیر اسلامی منشاء پورا نہیں ہوسکتا کیونکہ اس کے بغیر ظاہری مشارکت کا سامان پورا نہیں ہوسکتا اور ظاہری اتحاد سے باطن کا جو اتحاد پیدا ہوتا ہے وہ حاصل نہیں ہوسکتا۔ پس خاص لفظوں میں دعا کا حکم اس واسطے دیا کہ تا ساری دنیا کے مسلمانوں میں اشتراک پیدا ہو اور چینی، تبّتی، کشمیری سب میں ایک ہی مشترک جملہ ہو۔ اگر کوئی شخص اپنی زبان میں ہی دوسرے کو دعا دے تو بظاہر تو یہ ایک غیر اہم بات ہے لیکن باطن میں اس کا اثر بہت بُرا ہوگا۔

تعجب ہے کہ ہماری جماعت کے بعض لوگ مجلس شوریٰ کے موقع پر تو بہت زور شور سے یہ بات پیش کرتے ہیں کہ ہمارے بچوں کو اسلامی شعائر کا پابند ہونا چاہئے مگر حالت یہ ہے کہ ان کے اپنے گھروں میں یہ بات نہیں۔ کئی سال سے اس بات پر زور دیا جا رہا تھا کہ احمدیہ ہوسٹل لاہور میں رہنے والوں کے لئے ڈاڑھی کا رکھنا ضروری قرار دیا جانا چاہئے اور وہاں رہنے والوں کو مجبور کرنا چاہئے کہ وہ ڈاڑھی رکھیں لیکن جب اس پر عمل درآمد شروع کیا گیا تو میں یہ معلوم کر کے حیران ہو گیا ہوں کہ وہ لوگ جن کے وہاں ڈاڑھی رکھنے کے متعلق وہ الفاظ جو وہ مجلس شوریٰ میں اپنے منہ سے نکالتے رہے ہیں ابھی تک میرے کانوں میں گونج رہے ہیں اپنے بچوں کو وہاں سے نکال کر لے گئے۔

ایک دفعہ ایک شخص نے مجھ سے پوچھا کہ کیا ڈاڑھی میں اسلام ہے۔ میں نے کہا ہرگز نہیں مگر محمد رسول اللہ ﷺ کی اطاعت میں یقیناً اسلام ہے۔ مجھے افسوس ہے کہ جن لوگوں نے مجلس شوریٰ میں اس بات پر زور دیا تھا عملاً وہ خود ہی اپنے فیصلہ سے کِھسک گئے۔ مجھے ایک شخص نے یہ بھی کہا کہ آپ لاہور کے ہوسٹل کو لئے پھرتے ہیں حالانکہ یہاں بھی بعض لڑکے ڈاڑھی نہیں رکھتے اور جو یہاں نہیں رکھتے وہ وہاں کیا رکھیں گے۔ مجھے تو اس کے متعلق علم نہیں اور میرے ذہن میں تو ایسا لڑکا کوئی نہیں لیکن اگر کوئی ہو تو یہ بھی بہت افسوس کی بات ہے۔ یہاں ڈاڑھی رکھنے کی عادت ڈالنی چاہئے کیونکہ اپنی سوسائٹی میں ایک عادت ڈالنا بہت آسان ہوتا ہے مگر دوسری سوسائٹی میں جا کر مشکل ہو جاتا ہے۔

میں نے یہ بھی دیکھا ہے کہ بعض لڑکے جب جوانی کے قریب آتے ہیں تو ان کی شکل دیکھ کر خیال ہوتا ہے کہ شاید ڈاڑھی مُنڈھی ہوئی ہے۔ کچھ عرصہ ہوا۔ میں نے ایک لڑکے کو دیکھ کر یہی خیال کیا اور جب ہیڈ ماسٹر سے کہا گیا کہ لڑکوں کو ڈاڑھی رکھنے کی تاکید کریں تو انہوں نے کہا مجھے تو ایسا کوئی لڑکا معلوم نہیں جو ڈاڑھی مُنڈاتا ہو۔ میں نے اسی لڑکے کا نام بتایا اور انہوں نے جب تحقیقات کی تو معلوم ہوا کہ اسے ابھی ڈاڑھی آئی ہی نہیں۔ تو ایسا بھی ہو جاتا ہے اور ممکن ہے میرے پاس شکایت کرنے والے کو بھی ایسا ہی دھوکا لگا ہو جیسا مجھے لگ گیا تھا لیکن اگر یہ صحیح ہے تو ہیڈ ماسٹروں اور اساتذہ کا فرض ہے کہ اس بات کا خاص خیال رکھیں کہ طالب علم شعائرِ اسلامی کی پابندی کریں کیونکہ اس سے یک جہتی پیدا ہوتی ہے۔

میں امید کرتا ہوں کہ ذمہ دار افسر اس بات کا خاص خیال رکھیں گے اور جماعت کے احباب سے بھی مجھے امید ہے کہ اپنے بچوں کو شعائرِ اسلامی کا پابند بنانے کی پوری پوری کوشش کریں گے۔ یہ خیال نہیں کرنا چاہئے کہ ان باتوں کا فائدہ کیا ہے یہی فائدہ بتانے کے لئے میں نے یہ لمبی چوڑی تمہید بیان کی ہے اور بتایا ہے کہ ہر چیز کے فائدے الگ الگ اور موقع کے لحاظ سے ہوتے ہیں۔ بعض چیزوں کو پہچاننا ہر ایک کا کام نہیں اہلِ نظر ہی ان کی قدر و قیمت کا اندازہ لگا سکتے ہیں اور اس لئے ان کا حکم نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

ایک ڈاکٹر ایک نسخہ دیتا ہے اور کہہ دیتا ہے کہ دوائیاں اسی نسبت سے ملائی جائیں۔ جو چیز دو قطرے لکھی ہے اس کے دو ہی قطرے ڈالے جائیں تین نہ ہوں۔ وہ اس کی کوئی وجہ نہیں بتا سکتا کہ کیوں ایسا کیا جائے لیکن وہ کہتا ہے میرا سالہا سال کا تجربہ یہی کہتا ہے کہ اس طرح فائدہ ہوگا اور ہم اگر اس ڈاکٹر کو تجربہ کار مانتے ہیں تو اس کی بات کو ضرور قابلِ عمل بھی سمجھتے ہیں اور اس پر عمل بھی کرتے ہیں خواہ وہ ہماری عقل کے خلاف ہی ہو۔ پھر کس قدر افسوس کا مقام ہوگا کہ ہم ایک ڈاکٹر کی بات تو بغیر کسی عقلی دلیل کے ماننے کے لئے تیار ہوں لیکن خاتم النّبیّن ﷺ کی کسی بات کے متعلق پوچھیں کہ اس کا کیا فائدہ ہے۔ ایک معمولی حیثیت کے ڈاکٹر کی بات تو ہم مان لیں لیکن نبیوں کے سردار کی بات کے متعلق دلائل پوچھیں اس کے معنی یہ ہوں گے کہ ہمارے اندر اطاعت کی روح نہیں ہے ورنہ بغیر کسی فائدہ کا خیال کئے اسے مان لیتے۔

پس احباب کو چاہئے کہ اپنے بچوں کو شعائرِ اسلامی کے مطابق زندگی بسر کرنے کا عادی بنائیں۔ کیا یہ کوئی کم فائدہ ہے کہ ساری دنیا ایک طرف جا رہی ہے اور ہم کہتے ہیں ہم اُس طرف چلیں گے جس طرح محمد رسول اللہ ﷺ لے جانا چاہتے ہیں اس سے دنیا پر کتنا رُعب پڑے گا۔ دنیا رنگا رنگ کی دلچسپیوں اور ترغیبات سے اپنی طرف کھینچ رہی ہو مگر ہم میں سے ہر ایک یہی کہے کہ میں اُس راستہ پر جاؤں گا جو محمد رسول اللہ ﷺ کا تجویز کردہ ہے تو لازماً دنیا کہے گی کہ محمد رسول اللہ ﷺ کے خلاف کوئی بات نہیں کرنی چاہئے کیونکہ اس کے متبعین اس کے گرویدہ اور جانثار ہیں۔ لیکن جو شخص فائدے گن کر مانتا ہے وہ دراصل مانتا نہیں مانتا وہی ہے جو ایک دفعہ یہ سمجھ کر کہ میں جس کی اطاعت اختیار کر رہا ہوں وہ خدا تعالیٰ کی طرف سے ہے آئندہ کے لئے عہد کر لیتا ہے کہ جو نیک بات یہ کہے گا اسے مانوں گا اور اطاعت کی اس روح کو مدنظر رکھتے ہوئے

سوائے ان صورتوں کے کہ گورنمنٹ کے کسی حکم یا نیم حکم سے ڈاڑھی پر کوئی پابندی عائد ہو جائے سب کو ڈاڑھی رکھنی چاہیئے۔ ہاں اس صورت میں ڈاڑھی نہ رکھنے کی اجازت ہوسکتی ہے کیونکہ سرکاری ملازمتوں کے لحاظ سے بھی ہمیں جماعت کو کمزور نہیں ہونے دینا چاہیئے۔ مگر یہ ایسی ہی صورت میں ہے جیسے بیماری کی حالت میں شراب کا استعمال جائز ہے اس لئے اس حالت والے کو چھوڑ کر باقی سب دوستوں کو ڈاڑھی رکھنی چاہیئے اور اپنے بچوں کی بھی نگرانی کرنی چاہیئے کہ وہ شعائرِ اسلامی کی پابندی کرنے والے ہیں اور اگر وہ نہ مانیں تو ان کا خرچ بند کر دیا جائے اسے کوئی صحیح الدماغ انسان جبر نہیں کہہ سکتا کیونکہ اگر کسی کا بچہ کہے کہ میں مرچیں کھاتا ہوں تو وہ اسے نہیں کھانے دے گا اگر وہ جبر نہیں تو اسے کس طرح جبر کہا جاسکتا ہے۔ ہم اپنے بچے کے متعلق ایسا کر سکتے ہیں ہاں دوسرے کے لئے نہیں۔ جیسے کہ ہمسائے کو کسی فعل سے باز رہنے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا مگر اپنے بھائی کو کیا جاسکتا ہے اور اس کا نام جبر نہیں بلکہ نظام کی پابندی ہے اور نظام کی پابندی جبر نہیں ہوتا بلکہ اس کے اندر بہت بڑے بڑے فوائد ہیں۔ اور اس کے بغیر دنیا میں گزارہ ہی نہیں ہوسکتا۔ (الفضل ۹۔ اکتوبر ۱۹۳۰ء)

۱؎ بخاری کتاب الاذان باب الزاق المنکب بالمنکب والقدم بالقدم بالصف

۲؎ مسلم کتاب الطھارۃ باب خصال الفطرۃ